© rasailojaraid.com

بیسویں صدی سے قبل کا داغستان

تحریر: ریحا یلماز

ترجمہ: محمد الیاس خان

[زیر نظر مقالہ محترمہ ریحا یلماز کی تحریر ہے جو داغستان سٹیٹ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی امیدوار ہیں۔ ان کا یہ مقالہ سوویت تاریخ نویسی (historiography) کے مخصوص رجحانات کا آئینہ دار ہے جن میں قومیتوں سے متعلق زار شاہی روس کی پالیسیوں کو تو "مثبت" تنقید کا نشانہ بنایا جاتا تھا لیکن سوویت دور میں قومیتوں سے متعلق اختیار کی گئی پالیسیوں کو خود ان قومیتوں کی قومی امنگوں کے آئینہ دار کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ سوویت انہدام کے بعد رشین فیڈریشن میں عموماً سوویت دور کی پالیسیوں پر تنقید بھی قابل برداشت ہے بشرطیکہ اس سے رشین فیڈریشن کی "علاقائی سلامتی" کو خطرہ درپیش نہ ہو۔ رشین فیڈریشن میں رائج روسی تاریخ نویسی کے انہی جدید معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے مقالے میں نہ صرف ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے فوری بعد کے سالوں میں داغستان اور دیگر قفقازی قبائل کی جدوجہد آزادی سے تعرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ ۱۹۲۱ء میں داغستان کو نام نہاد خود مختاری دیتے ہوئے اس کی رشین فیڈریشن میں جبری شمولیت کو علاقے کی ترقی و استحکام میں ایک مثبت عامل کے طور پر پیش کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ داغستان سمیت قفقاز کی تمام مسلم قومیتیں روز اول سے لے کر آج تک ماسکو کے استعماری تسلط کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہیں اور اس بیرونی تسلط سے آزادی کے لیے وہ مختلف ادوار میں حالات کی مناسبت سے مختلف حکمت عملیاں اختیار کرتی رہی ہیں۔ ماسکو میں اقتدار پر قبضہ زاروں کا ہو، سوویت دور کے کمیونسٹوں کا ہو، (سوویت عہد کے خاتمہ کے بعد) "اصلاحات پسند جمہوری قوتوں" کا ہو یا (مستقبل میں) کٹر قوم پرستوں کا ہو، اس سے ان کی محکوم حیثیت میں نہ تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہو گی۔ ان کا واحد مطمح نظر روسی استعمار سے مکمل آزادی ہے جس کی روشن مثال چیچنیا کی حالیہ جنگ آزادی ہے۔ (مدیر)]

قفقاز کے دو انتہائی اہم درّوں میں سے ایک پر واقع ہونے کی بنا پر داغستان ایک سترا تیجی اہمیت کا علاقہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ علاقہ ہمیشہ سے بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ مسلسل بیرونی حملوں کی زد میں رہنے کے باعث یہاں ''البان فیڈریشن'' کے بعد بیسویں صدی تک کوئی مضبوط مقامی ریاست تشکیل نہیں دی جا سکی۔ روسیوں نے قفقاز پر قبضے کے بعد ۱۹۲۱ء میں داغستان کو روسی فیڈریشن کے اندر ایک خودمختار جمہوریہ کی حیثیت دی۔ داغستان کی یہ حیثیت تا حال برقرار ہے۔

داغستان کو زیرنگین کرنے کے لیے حملہ آور بیرونی طاقتوں میں عرب، منگول، سلجوقی ترک، عثمانی خلافت، ایران اور زارشاہی روس شامل رہے ہیں۔ داغستان پر تسلط کے لیے ان بیرونی حملہ آوروں کی [سترا تیجی اہداف کے حصول یا ان کے تحفظ کے لیے] پنجہ آزمائی ایک مسلسل کشمکش سے عبارت ہے جسے ''گریٹ گیم'' کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ خطے میں اثر و نفوذ کے لیے کوشاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرونی طاقتوں کے مسلسل حملوں کا نشانہ بنتے رہنے کے نتیجے میں مقامی آبادی ہمیشہ سے زبردست دباؤ کا شکار رہی ہے۔ اس دباؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے داغستانی آبادی بسا اوقات بیرونی حملہ آوروں کی اطاعت اور وفاداری قبول کرتی رہی ہے۔ دوسری طرف [حملہ آوروں سے عقیدے اور مذہب کی عدم مطابقت کی صورت میں] بسا اوقات مقامی آبادی کو پہاڑوں میں پناہ لینے پر بھی مجبور ہونا پڑا۔ اس پس منظر میں ایک مختصر سے دور کے استثناء کے ساتھ داغستانی عوام اپنے علاقے میں ایک مضبوط اتحادی ریاست کی تشکیل میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خطے پر روسی قبضے کی تکمیل سے قبل کے عرصہ میں داغستانی بہر حال کسی نہ کسی صورت میں اپنا سیاسی وجود برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ۱۹۲۱ء میں ''داغستان اٹانومس سوویت سوشلسٹ ریپبلک'' کی تشکیل کو داغستانی عوام کی سیاسی زندگی کے استمرار کے سلسلے میں ایک اہم عامل کی حیثیت حاصل ہے۔

مقامی سیاسی تشکیلات

بلند و بالا پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے داغستان پر قبضہ ہمیشہ سے بیرونی حملہ آوروں کے لیے ایک مشکل کام رہا ہے۔ داغستان کی اسی جغرافیائی حیثیت کی بنا پر بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے تعلقات ہمیشہ سے کمزور رہے ہیں۔ چنانچہ داغستان کے عوام ہمیشہ سے بیرونی طاقتوں میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں[1]۔ اس کے برعکس خطے کے عوام نے پہاڑی علاقوں میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تشکیل دیں۔ ان ریاستوں میں سے اکثر کی بنیاد خاندانی وحدتیں تھیں جنہوں نے اپنی عملداری کے علاقوں کو بتدریج خود مختار ریاستوں میں بدل دیا۔ یہ ریاستیں بہر حال جاگیر دارانہ وحدتوں سے آگے ترقی نہیں کر سکیں۔ ان خود مختار مقامی ریاستوں میں سے جو سب سے زیادہ عرصہ تک برقرار رہ سکیں وہ پہاڑی علاقوں میں قائم ریاستیں تھیں۔ آوار خانیت، گائتاک پرنسپلٹی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوموک خانیت اور کباچی خانیت، جو پہاڑی علاقوں کی مضبوط ترین ریاستیں تھیں، عرصہ دراز تک اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں۔ اس کے برعکس داغستان کے اہم ترین میدانی علاقوں پر مشتمل امارتِ دربند اور کبا (یا کوبا) خانیت بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں مسلسل تباہی و بربادی کا نشانہ بنتی رہیں۔ [میدانی علاقوں کی] یہ ریاستیں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے ہمیشہ بیرونی طاقتوں کے تحفظ اور پشت پناہی کی محتاج رہیں[۲]۔

چوتھی صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی کے درمیان کے عرصہ میں داغستان میں جاگیردارانہ دور کی تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی رہی ہیں۔ اس دور میں جاگیردارانہ طرز کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تشکیل دی گئیں جن میں سے جنوبی داغستان کی لاکز (Lakz)، طباسران [یا طباساران] (Tabasaran)، گائیتاک، کولوک، کوباچی (کباچی)، آواریا اور کارہ (یا ارکارہ) ریاستیں داغستان کے پہاڑی علاقوں میں قائم تھیں[۳]۔ جبکہ باب الابواب (یا امارت دربند) کوبا خانیت اور گومک خانیت میدانی اور ڈھلوانی علاقوں میں قائم تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ریاستیں ساتویں صدی عیسوی میں علاقہ میں عرب حملہ آوروں کی آمد اور اس کے سینکڑوں سال بعد بھی اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں[۴]۔ گیارہویں صدی سے بیسویں صدی تک کے عرصہ میں بھی داغستانی عوام ایک متحدہ مرکزی ریاست کی تشکیل میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کے برعکس اس عرصہ میں پہلے سے موجود چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی خودمختاری مزید بڑھ گئی اور ان میں اتحاد یا کنفیڈریشن کے قیام کے بجائے ایک دوسرے سے مخاصمت اور عداوت پروان چڑھی۔ مفادات کے ٹکراؤ کی صورت میں یہ ریاستیں مختلف بیرونی طاقتوں کی پشت پناہی کے حصول کے لیے کوشاں رہتی تھیں اور بسا اوقات بیرونی طاقت کی مدد سے آپس کی لڑائیوں میں مصروف رہتی تھیں[۵]۔ اس عرصہ میں یہ مقامی ریاستیں زیادہ تر عثمانی خلافت کی بالادستی کے تابع رہیں، تاہم ان میں سے بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے زارشاہی روسی سلطنت کی حمایت میں آنے کو ترجیح دی*۔ ایرانی مداخلت کو اس علاقے کے عوام نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ یہاں کے عوام سنی مسلمان ہیں، اس لیے شیعہ ایران کو اس علاقے میں قدم جمانے میں ہمیشہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹ویں صدی میں داغستان کی سب سے طاقتور سیاسی وحدت ترکی پرنسپلٹی (Tarki Principality) تھی۔ اس کے علاوہ آوار خانیت اور دربند، غازی گوموک، کوری، مہتولی، طباساران اور گائتاگ پرنسپلٹیاں بھی خودمختار اور یک گونہ طاقتور سیاسی وحدتیں تھیں۔ داغستان کی یرلیسو سلطنت (Yerlisu Sultanate) کو بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ان پرنسپلٹیوں، سلطنتوں اور امارات کے علاوہ بعض دیگر چھوٹی پرنسپلٹیاں اور مقامی سطح کی چھوٹی چھوٹی سیاسی وحدتیں بھی تھیں جو اپنا آزاد سیاسی وجود برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ داغستان میں موجود یہ تمام سیاسی وحدتیں علاقے میں غیر ملکی مداخلت کی حوصلہ شکنی اور مخالفت پر متفق تھیں تاہم بعض صورتوں میں اپنے مخصوص مفادات کی بہتر نگہداشت کے لیے وہ بیرونی طاقتوں سے امداد کی طلب میں ہچکچاہٹ کا اظہار بھی نہیں کرتی تھیں[۶]۔ اس صدی میں زارشاہی روس نے اس علاقے میں پیش قدمی شروع کی اور یکے بعد دیگرے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے علاقوں کو روس میں ضم کرنا شروع کر دیا۔ روسیوں نے شروع شروع میں مقامی لوگوں کی سماجی اور سیاسی زندگی میں مداخلت سے گریز کی پالیسی اپنائی۔ اس کے برعکس مقامی حکمرانوں [اور طبقہ

---

* مصنف کا یہ دعویٰ یقیناً غلط ہے۔ قفقاز کی تاریخ روسی استعمار کے خلاف مسلسل خون ریز جہادی تحریکوں سے عبارت ہے۔ قفقاز میں روس نواز رؤساء و امراء کو بھی اپنی استعمار دشمن رعایا کے ڈر سے کھل کر روسیوں کی حمایت کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس قفقاز کی تمام سیاسی وحدتوں کی قیادتیں روسی استعمار کی مزاحمت پر متفق تھیں۔ خود مصنف نے اپنے مقالے میں کسی اور جگہ اس حقیقت کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے: ''داغستان میں موجود یہ تمام سیاسی وحدتیں علاقے میں غیر ملکی مداخلت کی حوصلہ شکنی اور مخالفت پر متفق تھیں'' (مدیر)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشراف] کی جاگیروں کو برقرار رکھا گیا اور انہیں بااثر جاگیرداروں کی حیثیت سے روسی استعمار سے تعاون پر مجبور کر دیا گیا۔ روسی قبضے کی تکمیل کے بعد ایک طرف تو مقامی آبادی کی آزاد حیثیت ختم ہو گئی دوسری طرف انہیں زار شاہی روس کی آباد کاری پالیسیوں اور قابل کاشت زمین کی (روسی) نو آباد کاروں میں تقسیم کے عمل کے منفی اثرات کا نشانہ بننا پڑا[۷]۔ چنانچہ زار شاہی روسی استعمار کے عہد میں مقامی آبادی پستی اور انحطاط کا شکار رہی۔

داغستان میں طاقت کا کھیل: خذر ترک اور مسلم عرب

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے داغستان کی سٹرا ٹیجی اہمیت کی بنا پر یہ خطہ مسلسل بیرونی قوتوں کی کشمکش کا نشانہ بنتا رہا ہے۔ علاقے کو زیر نگیں کرنے والی اولین بیرونی طاقت خذر ترکوں کی تھی۔ اپنے برتر ریاستی ڈھانچے اور منظم فوجی قوت کے پیش نظر خذر ترک لمبے عرصے تک خطے کی برتر طاقت رہے۔ خذر ترکوں نے البان ریاست کے انہدام کے بعد خطے میں موجود سیاسی خلاء کو پر کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ البان ریاست خطے میں قائم ہونے والی اولین اتحادی ریاست تھی۔ خذر ترکوں نے بحیرہ کیسپیئن (بحیرہ خذر) کے سواحل پر متعدد بستیوں کو آباد کیا[۸] اور شامانزم سے عیسائیت اور یہودیت سے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں انہوں نے علاقے میں ایک رنگا رنگ تہذیبی ورثے کو جنم دیا[۹]۔ خذر ترکوں نے بحیرہ کیسپیئن کے سواحل سے لے کر بحیرہ ازوف تک کے علاقوں کو اپنے زیر نگیں کر لیا تھا اور اس پورے خطے میں ایک منظم اتحادی ریاست کی تشکیل کی۔ اس وسیع و عریض خطے میں رہائش پذیر مختلف اقوام عرصہ دراز تک اس اتحادی ریاست کی رعایا رہے[۱۰]۔

خذر ریاست کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس ریاست کی تشکیل ۶۸۰ء میں ہوئی۔ داغستان، قفقاز کے دیگر علاقوں اور بحیرہ اسود سے ملحق بحیرہ ازوف تک کے وسیع و عریض علاقوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشتمل خذر ریاست ۹۶۵ء تک کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہی۔ بنیادی طور پر خذر ریاست جاگیردارانہ نظام پر مبنی ایک اتحادی ریاست تھی جس نے خطے کی سیاسی تاریخ پر انمٹ نقوش ثبت کیے۔ خذر ریاست کے سماجی اور سیاسی [ریاستی] ڈھانچوں کی تشکیل انتہائی منظم بنیادوں پر کی گئی تھی چنانچہ خذر حکومت کے خاتمے کے بعد بھی خطے میں اس کے اثرات لمبے عرصہ تک برقرار رہے۔ خذر ریاست نے سن ۶۲۰ء تک بتدریج ایک سلطنت (empire) کی شکل اختیار کی۔ سلطنت کے عروج کے زمانے میں ۶۶۸ء سے ۷۲۳ء تک بلنسر [یا بلنجر] (Belancer) اس کا دارالخلافہ تھا۔ ۷۲۳ء سے ۹۶۵ء تک سلطنت کا دارالخلافہ اتل (موجودہ استراخان) تھا[۱۱]۔ مختلف تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ خذر ریاست کی جنوبی سرحدات دربند شہر تک پھیلی ہوئی تھیں جو آج کل جمہوریہ داغستان کی جنوبی سرحد پر واقع ہے[۱۲]۔ دربند شہر ان اہم مگر محدود درّوں میں سے ایک درّے پر واقع ہے جو شمالی قفقاز کو جنوبی قفقاز سے ملاتے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں خذر سلطنت کو اپنے جنوبی علاقے مسلمان عرب حملہ آوروں کی تاراج سے بچانے کے لیے ایک طویل معرکہ آرائی کے لیے صف بندی کرنا پڑی۔ خذر سلطنت کی بقاء کے لیے جنوبی علاقوں کی اہمیت مسلّمہ تھی۔ سلطنت کے انہی علاقوں میں تجارتی شاہراہیں واقع تھیں۔ [مزید یہ کہ جنوب کے انہی علاقوں میں وہ درّے واقع تھے جن کے ذریعے بیرونی حملہ آور ریاست کے شمالی علاقوں کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے۔] خذر ترکوں کی طرف سے شمالی علاقوں پر قبضہ اور تسلط برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ (جنوب میں واقع) دربند شہر ان کی عمل داری میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان عربوں نے دربند شہر پر قبضہ کر لیا اور خذر ترکوں کو شمال کی طرف پسپائی اختیار کرنا پڑی تو حملہ آور عرب افواج ان کا پیچھا کرتے ہوئے خذر سلطنت کے دارالخلافہ استراخان تک پہنچ گئیں[۱۳]۔

مسلم عرب افواج اور خذر ترکوں کے مابین شدید ترین معرکہ ۶۵۲ء میں دربند شہر کی فصیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باہر لڑا گیا[۱۴]۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس جنگ میں فتح کس کو حاصل ہوئی تاہم یہ معرکہ ہر دو متحارب فریقوں کے لیے جانی نقصان کے لحاظ سے بہت مہنگا ثابت ہوا۔ اس معرکہ میں ہونے والے زبردست جانی نقصانات کے پیش نظر ہی شاید مسلم عرب افواج نے اگلے چالیس سال تک خذر سلطنت کے خلاف جنگی کارروائیوں سے احتراز کیا[۱۵]۔ تاہم خذر ترکوں کے خلاف عرب مسلم افواج کی کارروائیوں میں یہ التوا عارضی ثابت ہوا۔ ۷۲۱ء سے ۷۲۳ء تک [کے عرصہ میں] انہوں نے نہ صرف دربند شہر پر قبضہ کر لیا بلکہ شمالی قفقاز کی طرف مسلسل پیش قدمی کرتے ہوئے خذر دارالخلافہ بلنجر کو بھی زیر نگیں کر لیا[۱۶]۔ مسلم حملہ آوروں کے ہاتھوں ان شکستوں کے باوجود خذر ترک خطے پر اپنی بالا دستی برقرار رکھنے کے لیے آخر دم تک لڑنے پر کمربستہ تھے۔ انہوں نے آج کے استرا خان شہر کے مضافات میں واقع یادل شہر (Yadil) کو اپنا دارالسطنت بنایا، اور مسلم حملہ آوروں کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لیے از سر نو اپنی قوت مجتمع کرنا شروع کر دی۔ پندرہ سال تک مسلم حملہ آوروں کے خلاف مسلسل معرکہ آرائی کے بعد خذر ترک بالآخر موجودہ داغستان کے پورے علاقے پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم اب شاید خذر سلطنت کے دن گنے جا چکے تھے۔ سات سال بعد ہی (بعد میں خلیفہ بننے والے) مروان بن محمد کی طاقت ور افواج نے داغستان کو ایک بار پھر خذر ترکوں سے چھین لیا اور انہیں اتنی زبردست شکست سے دوچار کیا کہ ان کے لیے اپنی طاقت پھر سے مجتمع کرنا ممکن نہ رہا۔

اموی افواج کے ہاتھوں اس شکست فاش کے نتیجے میں خذر ترکوں کی اس طاقت ور سلطنت کا خاتمہ ہو گیا، جو دربند سے شمال میں استراخان تک کے وسیع و عریض علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ خذر ترکوں نے پسپائی اختیار کرتے ہوئے انتہائی شمالی علاقوں کی راہ لی اور خطے پر اسلامی اقتدار کے استحکام کے بعد بتدریج دین اسلام قبول کر لیا[۱۷]۔ مسلمانوں نے خطے کو زیر نگیں کرنے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داغستان کے ساحلی علاقوں میں بستیاں بسائیں جو اسلامی تعلیمات کا مرکز بنیں۔ ان بستیوں نے قفقاز میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ مقامی آبادی میں سے لزگیز اور غازی کوموک قبائل نے مسلمان مبلغین کا بھرپور ساتھ دیا[۱۸]۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلم افواج کی علاقہ میں آمد کا واحد مقصد دین اسلام کو دور دراز کے علاقوں تک پہنچانا تھا۔ اسلام اس وقت تک دنیا کا طاقت ور مذہب بن چکا تھا اور اس کی حکمرانی وسیع و عریض علاقوں پر قائم ہو گئی تھی۔ خطے کے مختلف مقامات کو مرکز بناتے ہوئے مسلم مبلغین کی منظم کاوشوں کے نتیجے میں نویں صدی عیسوی میں اسلام داغستان کے تمام علاقوں میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس عرصہ میں دربند تبلیغی کاوشوں کا سب سے بڑا مرکز رہا[۱۹]۔ دسویں صدی عیسوی میں خطے میں عرب [اسلامی] اقتدار عروج کو پہنچا جب داغستان کو عباسی خلافت کا صوبہ بنایا گیا۔ داغستان کو سیاسی طور پر عالم اسلام کا حصہ بنانے کا عمل اب مکمل ہو چکا تھا[۲۰]۔

داغستان میں ترکوں کا کردار

داغستان میں ترکوں کی سیاسی سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز خذر ترک (پانچویں صدی عیسوی) تھے۔ خذر ترکوں کے پس منظر میں چلے جانے کے بعد گیارہویں صدی عیسوی میں داغستان کا بہت بڑا علاقہ سلجوق ترکوں کے زیر تسلط آ گیا[۲۱]۔ داغستان میں سلجوق ترکوں کا اقتدار خود سلجوق سلطنت کی طرح جلد ہی اختتام پذیر ہو گیا۔ گیارہویں اور بارہویں صدیوں میں کومان (قپچاق) قبائل کی سلطنت میں داغستان کی شمولیت کے باعث سلطنت قپچاق کے دیگر علاقوں کے ترک قبائل یہاں آباد ہو گئے۔ اس عرصے میں قپچاق قبائل کی سلطنت میں داغستان کے علاوہ بحیرہ اسود کے اکثر شمالی علاقے شامل تھے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں داغستانی علاقوں پر ایلخانی سلطنت، لشکر زریں کی سلطنت، تیموری سلطنت اور صفوی ایران کے اقتدار نے داغستان پر چندے مثبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثرات مرتب نہیں کیے۔ واضح رہے کہ صفوی ایران کے ماسوا درج بالا اکثر سلطنتیں منگول الاصل مگر ترک تہذیب وثقافت میں رنگے ہوئے خانوادوں کی سربراہی میں قائم ہوئیں۔ داغستان کی اس دور کی تاریخ تباہ و برباد کیے گئے شہروں کے احوال اور وسیع پیمانے پر قتل عام کے واقعات کا پتہ دیتی ہے۔ چیچن اور کوموک قبائل خاص طور پر اس طوفانی دور کی بربادیوں کا نشانہ بنے[۲۲]۔

اگرچہ داغستان اور ملحقہ علاقوں میں عثمانی اقتدار کی بدایات سے متعلق تاحال کوئی حتمی رائے نہیں قائم کی جاسکی ہے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ خطے پر مکمل عثمانی اقتدار ۱۵۷۸ء سے ۱۶۰۶ء تک قائم رہا، گو ۱۶۰۶ء کے بعد بھی خطے کے ساتھ عثمانی خلافت کے خصوصی تعلقات کافی عرصہ تک قائم رہے[۲۳]۔ خطے کی سترا تیجی اہمیت کے پیش نظر ۱۵۷۸ء میں عثمانیوں کی طرف سے قفقاز پر تسلط کے لیے تین مرحلوں پر مشتمل ایک پروگرام پر عملدرآمد کا آغاز ہوا۔ قفقاز کو اس وقت صفوی ایران اور زار شاہی روس کے مابین بفرزون کی حیثیت حاصل تھی۔ عثمانیوں کے اس تین مرحلہ پروگرام کا ابتدائی اور اولین مرحلہ شمالی قفقاز میں قائم چھوٹی چھوٹی سیاسی وحدتوں اور قفقاز کے مسلم عوام سے عثمانی خلافت کے لیے بیعت وفاداری کا حصول تھا۔ یہ مرحلہ جلد ہی طے کر لیا گیا اور خطے کے تقریباً تمام بااثر سرداروں اور مقامی حکمرانوں نے عثمانی خلافت کی حفاظت میں آنا قبول کر لیا۔

اس پروگرام کے دوسرے مرحلے پر عمل درآمد عثمانیوں کے لیے آسان کام نہ تھا۔ دوسرا مرحلہ برسر موقع عثمانی اقتدار کو مستحکم کرنا تھا، جو خطے میں عثمانی افواج کی موجودگی کا متقاضی تھا۔ عثمانیوں کے لیے قفقاز کو براہ راست اپنی سلطنت میں شامل کرنا ایک مشکل مہم ثابت ہوئی جس میں عرصہ دراز تک انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ عثمانی سلطنت کو قفقاز میں اپنا اقتدار مستحکم کرنے کا پہلا موقع اس وقت ملا جب عثمانیوں کے زیر حفاظت بعض علاقوں پر صفوی ایران کی افواج جارجیا کے شہزادوں کی مدد سے حملہ آور ہوئیں۔ عثمانی افواج ۱۵۹۰ء میں جنوب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے تبریز تک پہنچ گئیں اور صفوی ایران کو معاہدہ امن پر مجبور کر دیا۔ اس معاہدہ کی رو سے جنوبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قفقاز پر عثمانی سیادت کو تسلیم کر لیا گیا۔

اس دوران شمالی قفقاز کو زیرنگیں کرنے کے لیے عثمانیوں نے فوجی پیش قدمی سے گریز کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ معاہدہ کے بعد شمالی قفقاز کے مقامی حکمرانوں کی طرف سے عثمانی خلافت سے وفاداری کی بیعت پر مشتمل خطوط یکے بعد دیگرے باب عالی پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ قفقاز اور داغستان میں قائم ان سیاسی وحدتوں کے سربراہوں کے اعلان وفاداری کو کافی سمجھ کر علاقے میں فوجی کارروائی کو غیر ضروری قرار دیا گیا۔ تاریخ کے اس مخصوص دور میں شمالی قفقاز اور خصوصاً داغستان عثمانی خلافت کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل علاقے تھے۔ انہی علاقوں سے ستراتیجی اہمیت کی حامل وہ شاہراہ گزرتی تھی جو شمال مغرب میں واقع تامان کو جنوب مشرق میں واقع دربند شہر سے ملاتی تھی۔ تامان کا علاقہ خان کریمیا کی عمل داری میں شامل تھا۔ خان کریمیا عثمانی خلافت کا وفادار تھا اور عثمانی خلافت کے لیے بوقت ضرورت [روسیوں یا صفویوں کے ساتھ جنگ کے دوران] کریمیا کے خان اور کریمیائی افواج کو زمینی راستے سے مدد اور کمک پہنچانے کا واحد ذریعہ یہی شاہراہ تھی۔ عثمانیوں کے لیے اس شاہراہ سے متصل علاقوں کو اپنی عمل داری میں شامل کرنا شمالی قفقاز سے متعلق ان کی حکمت عملی کا تیسرا مرحلہ تھا۔ اس تیسرے مرحلے کی تکمیل کے لیے بھی عثمانیوں کو کسی قسم کی فوجی کارروائی کی ضرورت نہیں پڑی، کیوں کہ شمالی قفقاز اور داغستان کے مقامی حکمرانوں کی طرف سے عثمانی خلافت کے ساتھ وفاداری کے اعلان کے ساتھ ساتھ کبارتے (Kabartay) قبائل نے بھی باب عالی کی حفاظت میں آنا قبول کر لیا تھا۔ عثمانیوں کے لیے مذکورہ شاہراہ کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شمالی قفقاز میں ممکنہ فوجی کارروائیوں کے دوران عثمانی افواج کے لیے تیز رفتار تکنیکی [تدبیراتی] پسپائی (tactical retreat) بھی اسی شاہراہ کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ مزید یہ کہ اس شاہراہ پر قبضے کے نتیجے میں عثمانیوں کے لیے جنوب میں قفقاز اور مغرب میں کریمیا کے خلاف روسیوں کی ممکنہ پیش قدمی پر نظر رکھنا ممکن ہو گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس شاہراہ اور اس سے متصل علاقوں پر اپنے قبضے کے استحکام کی غرض سے عثمانیوں نے ارد گرد کے اُن تمام چھوٹے چھوٹے قبائل اور حکمران شاہزادوں کو عثمانی خلافت کی حفاظت میں آنے کے لیے خطوط لکھے جن کی موجودگی کا انہیں مختلف ذرائع سے علم ہو سکا۔ باب عالی کے فرستادہ ان خطوط کا خاطر خواہ اثر ہوا اور جلد ہی مقامی سنی قبائل حقیقتاً عثمانی خلافت کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔

خطے میں ایرانی سرگرمیاں

ایران میں ساسانی سلطنت کے زوال کے بعد پہلی مرتبہ ۹۴۴ء میں شیروان شاہ نے خطے کو ایرانی اقتدار میں شامل کیا۔ تاہم قفقاز کے اس خطے پر شیروان شاہ کا قبضہ انتہائی مختصر ثابت ہوا۔ ایران میں صفوی خاندان کی حکمرانی کے عہد میں ایک بار پھر خطے میں ایرانی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ اس بار قفقاز میں ایرانی عسکری سرگرمیوں کی پشت پر سیاسی عزائم کے ساتھ ساتھ نظریاتی مقاصد (شیعہ مسلک کی اشاعت) بھی تھے۔ ایلخانی منگول سلطنت اور بعد میں تیموری (منگول) سلطنت[۲۶] کی شکست وریخت کے نتیجے میں قفقاز میں سیاسی اقتدار کا جو خلا پیدا ہوا تھا اُسے پُر کرنا کسی بھی دیگر طاقت کے لیے ممکن نہیں تھا۔ صفوی ایران قفقاز کا نہ صرف قریب ترین پڑوسی تھا بلکہ ایرانی اسے تاریخی طور پر اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایران کے صفوی حکمران اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے آگے بڑھے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں جنوبی قفقاز پر اپنی سیادت قائم کرنے کے بعد صفویوں نے شمالی قفقاز کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا۔ ۱۵۷۸ء کے بعد شمالی قفقاز میں صفویوں کو عثمانی افواج سے تصادم کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلسل بارہ سال تک معرکہ آرائیوں کے بعد بالآخر صفوی افواج کو عثمانی افواج کے ہاتھوں عبرت ناک شکست کے بعد پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ عثمانیوں نے شمالی قفقاز میں صفوی اقتدار کی تمام تر علامات کو ختم کر دیا اور خطے پر مکمل عثمانی سیادت قائم کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ۲۷۔

عثمانیوں کے ہاتھوں شمالی قفقاز میں شکست کے باوجود ایرانی خطے سے متعلق اپنے عزائم کو خیر باد کہنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ شمالی قفقاز میں عثمانی اقتدار کے مختصر دور کے خاتمہ کے بعد ایرانی ایک بار پھر خطے کو ایران کے زیرنگیں کرنے کے لیے حرکت میں آ گئے ۲۸۔ ایرانیوں کی کوشش تھی کہ شمالی قفقاز میں شیعہ مسلک کی ترویج کو یقینی بنایا جائے۔ تاہم سترہویں صدی کے ابتداء میں ایرانیوں کی طرف سے داغستان کے سنی عوام میں شیعیت کی ترویج کی تمام تر کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ شیعیت کی ترویج کے لیے ایرانی کوششوں پر داغستان کے سنی عوام کا رد عمل بڑا شدید تھا۔ داغستان کے عوام غازی کوموک خان چولاک سرخائے کی قیادت میں متحد ہوئے اور ایرانیوں کے خلاف مسلح مزاحمت شروع کر دی۔ جلد ہی انہوں نے شماخ کے علاقے کو ایرانیوں کے قبضے سے آزاد کرا لیا اور ایک بار پھر عثمانی خلافت میں شمولیت اور باب عالی کی حفاظت میں آنے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران صفویوں کو افغانستان کے شاہ محمود خان کے ہاتھوں بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ایرانی افواج کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے داغستانی عوام نے اپنے علاقے جلد ہی ایرانیوں سے دوبارہ چھین لیے۔ ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے بڑی تیزی کے ساتھ داخلی انتشار اور عسکری کمزوریوں پر قابو پایا اور ایک بار پھر شمالی قفقاز میں ایران کے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اگرچہ نادر شاہی افواج نے ایک بار پھر خطے پر چڑھائی کی، تاہم ایران اب ماضی کی طرح ایک طاقت ور ملک نہیں رہا تھا ۲۹۔ ایرانیوں کو داخلی شورشوں پر قابو پانے کے لیے روسیوں سے مدد کی درخواست کرنا پڑی۔ ایران کی یہ کمزوری روسیوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ زار شاہی روس نے معاہدہ گلستان کے ذریعے بالآخر جنوبی داغستان کے اُن علاقوں سے بھی ایرانیوں کو دست بردار کرنے پر مجبور کر دیا جن پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرصہ دراز سے صفویوں کا قبضہ تھا۔ داغستان کے جنوبی علاقوں میں تا ہنوز ایرانی الاصل باشندوں کی موجودگی اور ان علاقوں میں بولی جانے والی مقامی زبانوں پر فارسی کے اثرات ان علاقوں پر طویل عرصہ تک ایرانی اقتدار کا نتیجہ ہیں[۳۰]۔

زار شاہی روس اور عثمانی خلافت کے مقابلے میں خطے میں ایرانی اثر و نفوذ غیر مؤثر اور غیر مستقل نوعیت کا تھا۔ ایرانیوں کی سرگرمیوں کی نظریاتی نوعیت اور شیعہ مسلک کی ترویج کے لیے ان کی طرف سے اختیار کی گئی سخت پالیسیوں نے مقامی لوگوں میں ان کے خلاف شدید مزاحمت کے جذبات کو جنم دیا۔ خطے پر سیادت کے لیے روس-ایران کشمکش کے دوران ایرانیوں کو مقامی مسلمان آبادی کی طرف سے مؤثر حمایت نہ ملنے کی پشت پر ایران کی یہی پالیسیاں کارفرما تھیں۔ خطے سے ایرانیوں کے بتدریج انخلاء اور روسیوں کے ہاتھوں ان کی پے در پے شکستوں میں بھی شاید مقامی باشندوں میں پائے جانے والے ایران سے عدم وابستگی کے جذبات کو ایک اہم عامل کی حیثیت حاصل تھی۔

روسیوں کی پیش قدمی

لشکر زریں کی سلطنت کی غلامی کے طوق سے نجات حاصل کرنے کے بعد روسی ریاست بڑی تیز رفتاری سے ترقی اور توسیع کی راہ پر گامزن ہوئی۔ زار شاہی روس کو قفقاز کے خطے میں بیک وقت دو طاقتوں کا سامنا تھا۔ یہ دو طاقتیں صفوی ایران اور عثمانی خلافت تھیں۔ زار شاہی روس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ دونوں طاقتیں توسیع اقتدار کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد تعطل اور جمود (stagnation) کے دور میں داخل ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف [اس مخصوص دور میں] زار شاہی روس ایک ابھرتی ہوئی نوخیز طاقت تھی جس نے جدید ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک ایسی طاقتور فوج تشکیل دی تھی جو روسی ریاست کی تیز رفتار توسیع اور دور دراز علاقوں پر روسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھنڈا لہرانے کے لیے ہر قسم کی مہم جوئی پر تیار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صفوی ایران اور عثمانی خلافت کے برعکس زار شاہی روس قفقاز کے خطے میں وارد ''مستقل مہمان'' ثابت ہوا۔

داغستان میں زار شاہی روس کی دلچسپی کا آغاز سولہویں صدی میں ہوا۔ ۱۵۵۲ء میں قازان اور ۱۵۵۷ء میں استراخان خانیتوں پر قبضے کے نتیجے میں روسی نہ صرف بحیرہ کیسپیئن [یا خذر] کے سواحل تک پہنچ گئے بلکہ انہوں نے شمالی قفقاز سے متصل علاقوں میں دو ایسی ریاستوں کو تہس نہس کیا جن کے حکمرانوں کے مؤرثین اعلیٰ (لشکر زریں) روسی غلامی کے ذمہ دار تھے۔ ان دونوں ریاستوں/ خانیتوں کی بربادی روسیوں کے توسیعی عزائم کے لیے بڑھاوا ثابت ہوئی۔ ان فتوحات کے بعد زار روس ایوان خوفناک نے شمالی قفقاز کے کبارت (کبارد) قبائل کے سردار تیمروک کی بیٹی سے شادی کی۔ اس شادی کے نتیجے میں زار روس نے شمالی قفقاز کے ایک اہم قبیلے کے ساتھ سسرال کے تعلقات کے قیام کے ذریعے خطے کو روس کے قدرتی حلقہ اثر و اقتدار (natural sphere of influence) میں بدل دیا۔ ۱۵۶۷ء میں روسی افواج نے پیش قدمی کرتے ہوئے آج کے گروزنی شہر (چیچنیا) تک کے علاقوں کو زیر نگیں کر لیا۔ یہاں روسیوں نے سنجا کے مقام پر ایک قلعہ تعمیر کیا تا کہ اسے مستقبل میں شمالی قفقاز پر قبضے کے لیے مہمات میں بطور اڈہ استعمال کیا جا سکے[۳۱]۔ بعد میں عثمانی خلافت کی طرف سے دریائے ڈون اور دریائے وولگا کو ملانے کے منصوبے پر عمل درآمد کے اعلان کے بعد روسیوں کو یہ قلعہ مسمار کرنا پڑا[۳۲]۔

سترہویں صدی میں روسیوں نے داغستان میں فوجی مہمات بھیجنے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ روسیوں کی ان مہمات کے خلاف مقامی لوگوں کا ردِ عمل انتہائی شدید تھا۔ ۱۶۱۰ء میں زار شاہی روسی افواج کو مقامی لوگوں کے ہاتھوں زبردست شکست سے دوچار کیا گیا۔ جندرمہ (یا گندرمہ) کے سلطان محمد کی قیادت میں داغستان کے تمام قبائل نے متحد ہو کر روسی حملہ آور افواج کے خلاف مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کیا اور بالآخر انہیں شکست دے کر پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اگلی ایک صدی تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روسی افواج نے داغستان کے خلاف عسکری مہم جوئی سے احتراز کیا۔ درحقیقت روسی محض اسلحہ کے زور پر مقامی جنگجو قبائل کو زیر کرنے سے مایوس ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس دوران وہ داغستان پر قبضے کے لیے متبادل حکمت عملیوں کی دریافت اور تشکیل میں مصروف رہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں روسیوں نے زار پیٹر اول کی سربراہی میں نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ایک بار پھر قفقاز میں اپنی فوجی کارروائیوں کا آغاز کر دیا[۳۳]۔ ان کارروائیوں کا مقصد مستقل قبضہ کی بجائے خطے کے جغرافیائی خدوخال اور خطے کے عوام کے تہذیبی اور تمدنی رویوں سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ ۱۷۲۲ء میں روسیوں نے مبینہ طور پر ایک روسی تاجر کے داغستان میں لوٹے جانے کا انتقام لینے کے لیے دریائے تیریک سے دربند تک کے علاقوں کو تاراج کیا[۳۴]۔ زار پیٹر اول کی طرف سے یہ فوجی مہم بعد کے منظم روسی حملوں کے لیے ریہرسل کا درجہ رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ زار شاہی افواج نے جلد ہی علاقہ خالی کر کے پسپائی اختیار کر لی تھی۔

زار شاہی افواج کی اس مہم پر عثمانی خلافت نے زار پیٹر اول سے زبردست احتجاج کیا کیوں کہ دربند شہر عثمانی حفاظت میں تھا اور روسیوں کا یہ اقدام عثمانی خلافت کے تابع فرمان علاقوں پر اعلان جنگ کے بغیر چڑھائی کے مترادف تھا۔ روسیوں کی زمینی افواج کو بحری بیڑے کی مدد بھی حاصل تھی جو بحیرہ کیسپیئن میں داغستان کے سواحل تک پہنچ گیا تھا۔ روسیوں کا یہ بیڑہ سمندری طوفان کی زد میں آ گیا تھا اور اس کے اکثر جہاز غرق آب ہو گئے تھے۔ عثمانیوں کی طرف سے ممکنہ جوابی کاروائی کے خوف سے زار پیٹر اول کی روسی افواج نے علاقہ چھوڑ کر دریائے تیریک کی وادی میں روسی مقبوضات کی طرف واپسی کی راہ لی[۳۵]۔

اس دوران میں روسی بحریہ بحیرہ خذر کے سواحل پر روسی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ بحیرہ خذر میں ایران کی بحری موجودگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ روسیوں نے اپنی اس بحری برتری کے بل بوتے پر ایرانی علاقوں میں مداخلت کرنا شروع کر دی۔ بسا اوقات روسی سمندری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راستوں سے ایرانی علاقوں کے اندر گھس آتے تھے، اور وہاں اپنے ایجنٹوں اور عسکری ماہرین کی مدد سے زمینی سروے اور تجزیاتی / مطالعاتی رپورٹیں تیار کروانے میں لگے رہتے تاکہ مستقبل کی ممکنہ فوجی مہمات میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ روسی ایرانیوں کی مدد کے بہانے ایرانی سواحل پر اپنی افواج اتارتے تھے اور پھر ان علاقوں پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیتے تھے۔ نتیجتاً ایرانیوں کو ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا جس میں عموماً ایرانیوں کی طرف سے روسیوں کے حق میں بعض علاقوں سے دستبرداری کا اعلان شامل ہوتا تھا۔ روسیوں کی ان حرکتوں کی بہترین مثال معاہدہ رشت ہے۔ رشت میں افغان حملہ آوروں کے خلاف ایرانیوں کی مدد کے بہانے روسی افواج داخل ہوئیں اور ایران کے شاہ طہماسپ کو ''روس - ایران تعاون'' سے متعلق ''معاہدہ رشت'' پر دستخطوں پر مجبور کر دیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ایران نے باکو اور دربند کے علاقے روسی عملداری میں دینے پر رضامندی کا اظہار کیا[۳۶]۔

موجودہ داغستان اور آذربائیجان کے یہ علاقے زیادہ دیر تک روسی عملداری میں نہ رہ سکے۔ ان علاقوں کے عوام نے روسی قابضین کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کر دیا اور جلد ہی ان کی جدوجہد نے پورے ایران کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دوسری طرف تخت ایران پر متمکن نیا بادشاہ نادر شاہ ایران کے اندرونی مسائل پر قابو پانے اور ملکی یکجہتی پھر سے بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی دوران میں روسیوں کو عثمانی افواج کی طرف سے متوقع حملہ کے خدشات نے بھی گھیر لیا تھا۔ ان تمام عوامل نے روسیوں کو (۱۷۳۲ء کے معاہدہ گنجا کے نتیجے میں حاصل کردہ) دریائے تیریک کے جنوب کے تمام مقبوضہ علاقے ایران کو واپس کرنے پر مجبور کر دیا۔ دراصل روسیوں کو خطرہ تھا کہ عثمانیوں کے ساتھ ممکنہ جنگ کی صورت میں نادر شاہی افواج اور ایرانی عوام روسیوں کے خلاف عثمانیوں کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اس صورت میں روسیوں کو اپنی شکست یقینی نظر آ رہی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے قبل عثمانیوں نے روسیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ عثمانیوں کو کریمیا اور قفقاز میں مداخلت نہ کرنے سے متعلق روسی یقین دہانیوں پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ روسیوں نے قفقاز میں عثمانی خلافت کے زیر حفاظت علاقوں میں فوجی سرگرمیاں جاری رکھ کران یقین دہانیوں کے کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا تھا۔ قفقاز ایک بار پھر دو بڑی طاقتوں کے مابین جنگ کا میدان بن گیا تھا۔ قفقاز میں روسیوں کے خلاف جنگ جیتنے کے لیے عثمانی افواج مقامی قبائل کی مدد و حمایت پر تکیہ کیے ہوئے تھیں۔ عثمانیوں کو توقع تھی کہ مقامی قبائل کی (روسیوں کے خلاف جنگ میں) عثمانی افواج کے ساتھ شرکت ان کا پلڑہ بھاری کرنے کا سبب بنے گی[۳۷]۔ اس سے قبل مقامی حکمران اور قبائلی سردار عثمانیوں سے روسیوں کے خلاف مدد کی درخواستیں کرتے رہے تھے۔ سلطنت عثمانیہ (کریمیا اور بحر ازوف سے متصل علاقوں میں روسیوں سے ممکنہ جنگی کارروائیوں کی صورت میں) اپنی پشت محفوظ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہتی تھی۔ بہر حال اس جنگ میں عثمانیوں کو مقامی آبادی کی طرف سے اس پیمانے پر مدد و حمایت حاصل نہیں ہو سکی جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ نتیجتاً اس جنگ کے نتائج عثمانیوں کے نقطہ نظر سے منفی برآمد ہوئے۔ مقامی قبائل سیاسی انتشار کا شکار تھے اور وہ عثمانیوں کی مدد کے لیے متحدہ محاذ تشکیل دینے میں ناکام رہے۔ اس جنگ میں عثمانیوں کی ناکامی کا نتیجہ یہ نکلا کہ خطے کے مسلم عوام اور باب عالی کے مابین روابط ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گئے۔ چنانچہ داغستان میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں میں اب باب عالی کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں رہا۔

عثمانیوں اور روسیوں کے مابین جنگ کے ان دنوں میں کراکیتاگ قبائل نے خطے میں اقتدار کے خلاء کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مقامی حکمرانوں اور روسی افواج کے خلاف حملے شروع کر دیے تھے۔ کراکیتاگ قبائل خطے میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے۔ زارنیہ کیتھرین کے ایک قریبی دوست کے کراکیتاگ قبائل کے ہاتھوں اغوا اور پھر دوران قید کیکنت میں اس کی ہلاکت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روسی افواج کرا کیتاگ قبائل کے خلاف حرکت میں آ گئیں۔ روسی افواج نے کرا کیتاگ قبائل کو مطیع فرمان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید پیش قدمی کرتے ہوئے ایک بار پھر دربند شہر پر قبضہ کر لیا[۳۸]۔ قابض روسی افواج کے خلاف دربند کے مقامی باشندوں کی مزاحمت اتنی شدید تھی کہ روسی افواج کے لیے دربند شہر پر اپنا قبضہ زیادہ عرصہ تک برقرار رکھنا ممکن نہ رہا۔ روسی ایک بار پھر دربند چھوڑ کر پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیے گئے۔

دیگر بیرونی طاقتوں (عثمانیوں اور صفویوں) کے برعکس روسیوں کے لیے خطے میں قدم جمانا انتہائی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ دراصل روسیوں کا سامنا ایک ایسے منفرد قبائل معاشرے سے تھا جو اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے ہر دم آمادہ جنگ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خطے کے نشیبی علاقوں میں ابتدائی کامیابیوں کے بعد روسیوں کو اپنی حکمت عملی تبدیل کرنا پڑی۔ قفقاز کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں روسی کوسکوں کی آبادکاری مزید تیز کر دی گئی۔ قفقاز کا محاذ دو مشہور روسی جرنیلوں کے سپرد کیا گیا جن کی پہلی ترجیح مقبوضہ علاقوں میں ایسی قلعہ بندیوں کی تعمیر تھی جنہیں مستقبل کی جنگی کارروائیوں میں فوجی اڈوں کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ قلعہ بندیوں کے اس سلسلے کی تعمیر کے ساتھ ہی (سابقہ غلام) نو آزاد روسی کسانوں کو اردگرد کے علاقوں میں آباد کر کے خطے پر روسی استعمار مستحکم کرنے کی ابتداء کر دی گئی[۳۹]۔

دیگر بیرونی طاقتوں کو خطے سے بیدخل کرنے کے بعد روسی اب مقامی آبادی کو روسی غلامی کا طوق پہنانے کے لیے آگے بڑھے۔ قفقاز کی عظیم جنگ (great Caucasian war) کی ابتدا کرتے ہوئے روسیوں نے اپنی افواج کو جنوب کی سمت بڑھنے کا حکم دے دیا۔ روسی افواج کا پہلا نشانہ نوغوئی قبائل تھے۔ روسیوں نے نئی حکمت عملی پر عمل درآمد کرتے ہوئے نوغوئی (یا نوگائی) قبائل کے مرغزاروں اور زرخیز چراگاہوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ نوغوئی قبائل کو دلدلی زمینوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اس ناخوشگوار صورت حال سے دوچار نوغوئی قبائل نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روسیوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔ جنگ کے سوا ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں تھا، تاہم روسیوں کی زبردست طاقت کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور انہیں یا تو ان کے زرخیز علاقوں سے بیدخل کر کے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا اور یا پھر انہیں روسی استعماری ڈھانچے میں ضم کر لیا گیا[۴]۔ اب روسیوں کی قفقاز کی طرف پیش قدمی کی راہ میں اکثر رکاوٹوں پر قابو پا لیا گیا تھا چنانچہ جلد ہی روسی چیچنیا اور داغستان کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گئے۔

۱۷۸۵ء میں روسیوں کے خلاف خطے میں پہلی منظم بغاوت شیخ منصور کی قیادت میں ابھری۔ ۱۸۰۵ء میں شیخ منصور کی اس بغاوت نے پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور نتیجتاً روسیوں کے خلاف خطے کے عوام کی مشترکہ جدوجہد کی ابتدا ہوئی۔ شیخ منصور روسیوں کے خلاف آمادہ جنگ خطے کے عوام کے متفقہ سیاسی اور عسکری زعیم تھے۔ روسیوں کے خلاف خطے کے عوام کی اس مسلح جدوجہد کے برپا ہوتے ہی ''جنگ قفقاز'' کی ابتدا ہوئی۔ روسی قفقاز سے کسی بھی طور پر دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ خطے کی سٹراٹیجی اہمیت تو مسلمہ تھی لیکن زار شاہی روس کے لیے خطے پر روس کی استعماری گرفت مضبوط کرنا ایک اور وجہ سے بھی ضروری تھا۔ روس میں بے زمین کسانوں کا مسئلہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ روس میں غلامی کے خاتمے کے بعد ان بے زمین کسانوں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ ہو گیا تھا۔ روسی حکمرانوں کے لیے ان بے زمین اور بسا اوقات آمادہ جنگ کسانوں کے لیے قابل کاشت زمین کی فراہمی انتہائی ضروری ہو گیا تھا۔ دوسری طرف قفقاز اور خصوصاً پہاڑی علاقوں کے مسلم عوام کے سامنے خطے کے نشیبی اور میدانی علاقوں میں بسنے والے اپنے بھائیوں کی مثال تھی، جنہیں روسیوں نے اپنی زمینوں سے بے دخل کر کے روسی کوسک آبادکاروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کی ابتدا میں شروع کی گئی روسیوں کے خلاف یہ جدوجہد قفقازی عوام کے لیے آزادی کی قومی جنگ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ روسیوں کی طرف سے مقبوضہ علاقوں میں اختیار کی جانے والی پالیسیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روسی مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف روسی نوآباد کاروں کو بساتے تھے بلکہ مقامی لوگوں کو روسی استعماری ڈھانچے میں ضم کرنے، انہیں روسی تہذیب و ثقافت میں رنگنے، مزاحمت کی صورت میں ان سے جبری مشقت لینے اور علاقہ بدر کرنے جیسے اقدامات سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ زار شاہی افواج کے ان استعماری رویوں کو دیکھتے ہوئے مقامی آبادی میں آزادی وطن کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے جذبات مزید سوا ہوئے[۴۱]۔

جنگ کے اختتام پر پورے کا پورا داغستان روسی استعمار کے قبضے میں چلا گیا۔ روسیوں نے اپنا استعماری قبضہ مستحکم کرنے کے لیے انتہائی ظالمانہ پالیسیاں اختیار کیں جن کے نتیجے میں غیر روسی آبادی کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی شعبوں میں ترقی کا عمل یکدم رک گیا۔ ایک طرف خطے کی آزادانہ ترقی پر روک لگا دی گئی اور دوسری طرف خطے کے عوام کو زار شاہی حکومت اور سلطنت کے نئے غلاموں (serfs) میں بدل دیا گیا[۴۲]۔ ۱۸۱۳ء کے معاہدۂ گلستان کی رو سے داغستان پر روسی قبضہ تسلیم کیے جانے کے بعد بھی یہاں روسیوں کی طرف سے انتہائی بے رحمانہ پالیسیوں پر عمل در آمد کا تسلسل اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ روسیوں کو خطے پر اپنا حقیقی اقتدار قائم کرنے میں مسلسل ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مقامی آبادی کو ایک لمبے عرصے تک روسیوں کو ''اپنا آقا'' تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکا۔ داغستان میں روسیوں کو مقامی (مسلمان) آبادی کی طرف سے شروع کردہ مقدس جنگ [جہاد] سے نبرد آزما ہونے کے لیے خطیر سرمایہ خرچ کرنا پڑ رہا تھا۔ مقامی مسلمانوں کی مزاحمت کا تسلسل روسیوں کے لیے زبردست پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ ۱۷۸۰ء کی دہائی میں شروع کی جانے والی شیخ منصور کی مزاحمتی تحریک کا پرچم ۱۷۹۴ء میں غازی محمد اور ان کے بعد ہمزاد بیگ اور امام شامل نے عرصہ دراز تک سنبھالے رکھا۔ ان مزاحمتی تحریکوں کا تسلسل روسیوں کی گرم پانیوں تک جلد از جلد رسائی کی خواہش کی تکمیل کی راہ میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوا۔ مزید یہ کہ قفقازی (اور خاص کر داغستان کے) عوام کی طرف سے روسیوں کے خلاف اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طویل ترین جہادی تحریک نے زارشاہی روس کو (اس مخصوص دور میں) عسکری لحاظ سے کمزور دو مسلمان طاقتوں - عثمانی خلافت اور صفوی ایران - پر ''ٹوٹ پڑنے'' سے روکے رکھا۔ قفقازی مسلمانوں کی اس جہادی تحریک نے زارشاہی افواج کی پشت کو غیر محفوظ بنا کر ان کی جنوب کی سمت مزید پیش قدمی روکنے میں زبردست کردار ادا کیا۔

روسی استعمار کے خلاف خطے میں برپا مزاحمتی جنگ میں امام شامل کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ امام شامل نے روسیوں کے خلاف جہاد کو انتہائی منظم بنیادوں پر استوار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی قیادت میں جہادی سرگرمیاں پورے پچیس سال تک جاری رہیں۔ ۲۵ اگست ۱۸۵۹ء کو جنرل بریاٹنسکی کی کمان میں بھاری اسلحہ سے لیس روسی دستوں نے بالآخر امام شامل کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ امام شامل کی گرفتاری کے ساتھ ہی چیچنیا اور داغستان پر ایک بار پھر زارشاہی روسی افواج کا قبضہ ہو گیا۔ تاہم امام شامل کی گرفتاری قفقاز اور خاص کر داغستان اور چیچنیا کے عوام میں پائے جانے والے روس مخالف جذبات کو مزید بھڑکانے کا سبب بنی۔ امام شامل نہ رہے، اور ان کے منظر عام سے ہٹنے کے نتیجے میں جہاد کی مرکزیت بھی نہ رہی، تاہم روسیوں کے خلاف جہاد بذات خود موجود رہا جو غیر منظم شکل میں اور انفرادی کارروائیوں کی صورت میں اپنا وجود مسلسل منواتا رہا۔ کہا جا سکتا ہے کہ امام شامل کے بعد کے دور میں داغستان اور چیچنیا کے عوام کی مسلح جدوجہد اور روسیوں کے خلاف ان کی مزاحمت گو قومی آزادی کے لیے منظم تحریک نہ رہی تاہم اس کے مقاصد میں بیرونی استعمار کے خلاف نفرت کے جذبات زندہ رکھنا اور انہیں نئی نسل تک منتقل کرنا شامل تھا۔ جہاد کی نوعیت میں اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ اب داغستان (اور چیچنیا) میں روسی استعماری انتظامیہ مضبوط بنیادوں پر تشکیل دی جا چکی تھی اور زار روس کے نامزد کردہ گورنر کی گرفت خطے پر مستحکم ہو چکی تھی۔ داغستان میں متعارف کردہ یہ استعماری نظام بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک جاری رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاتمہ

قفقاز کے اس خطے میں جو ہمیشہ سے اپنی سترا تیجی اہمیت کے پیش نظر، بیرونی طاقتوں کی عسکری مہم جوئی کا نشانہ بنتا رہا ہے، الباں فیڈریشن کی مرکزی حکومت کے خاتمہ کے بعد کے عرصہ میں کوئی ایسی اتحادی ریاست تشکیل نہیں دی جا سکی جس کی بالادستی خطے کی تمام قومیتوں نے تسلیم کی ہو۔ مقامی قومیتوں کو بیسویں صدی کی ابتدا میں علاقائی طاقت بننے کا موقع ۱۹۱۸ء میں جمہوریہ شمالی قفقاز کی تشکیل اور بعد ازاں ۱۹۲۱ء میں کاکیشین رشین سوشلسٹ اٹانومس ریپبلک (خودمختار روسی اشتراکی جمہوریہ قفقاز) کی تشکیل کی صورت میں ملا۔ داغستان جو کہ جنوب کو شمال سے ملانے والے دو اہم دروں میں سے ایک پر مشتمل ہے، صدیوں تک بیرونی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ خذر ترک، منگول، سلجوق ترک، عثمانی خلافت، ایران اور روس اس علاقے پر تسلط کے لیے زبردست رسہ کشی میں مصروف رہے ہیں۔

خطے کے عوام بیرونی حملہ آوروں کے مسلسل دباؤ کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور رہے ہیں۔ یہ اس بیرونی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ انہیں اپنے علاقے میں ایک مضبوط اتحادی ریاست تشکیل دینے میں مسلسل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ بیرونی یلغاروں کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے مقامی آبادی مسلسل نقل وحرکت اور بسا اوقات پہاڑی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوتی رہی ہے۔ مختلف قبائل کی ان نقل مکانیوں اور دور دراز کے پہاڑوں میں پناہ لینے کے عمل کے نتیجے میں علاقے میں سرداری نظام کو فروغ ملا اور جاگیردارانہ طرز کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے جنم لیا۔ خطے میں تشکیل دی جانے والی ان چھوٹی چھوٹی خانیتوں اور امارتوں کے وجود سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے قبائل سیاسی شعور سے بہرہ ور تھے اور وہ تمدن اور عمرانیات سے آگاہی رکھتے تھے۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ خطے پر روسی اقتدار کے قیام کے وقت تک یہاں کے قبائل کی تشکیل کردہ سیاسی وحدتیں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ اس بات میں شک نہیں کہ خطے کے عوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اس سیاسی شعور اور تمدنی زندگی سے ان کی اس آگاہی نے ۱۹۲۱ء میں داغستان میں سوویت سوشلسٹ ریپبلک کی تشکیل میں اور بعد ازاں اس نئے تنظیمی یونٹ کے دائرہ کار میں ان کی سیاسی زندگی کی مؤثر تنظیم کے عمل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حواشی

۱- نادر دولت کوزی *قفقازیان دونویوگونو* (شمالی قفقاز: ماضی اور حال)، نئی فورم، مئی ۱۹۹۶ء، ص ۷۔

۲- اے۔ اے۔ خدایاوتسیف، *دربیوفی دربنت* (پرانا دربند)، ماسکو، از وستیا ناوکا، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۹-۱۵۵۔

۳- آر۔ ایم۔ محمدیف، *اسٹوریا داگستانا*، مہاشکالا، داگوچ پڈ ریز، ۱۹۹۱ء، ص ۳۹-۴۳۔

۴- خدایاوتسیف، ص ۸۶۔

۵- دربند میں واقع کرکلار قبرستان میں آج بھی اٹھارویں صدی کی فیتالی خانیت کے حکمرانوں خان احمد اور خان حسن (جو دونوں بھائی تھے) کی طرف سے تعمیر کردہ ان کی ماں کا مقبرہ موجود ہے۔

۶- ایم۔ آر۔ حسنوف، *اسٹوریا داگستانا*، مہاشکالا؛ داگستانسکوئی کنجوئی از داٹیلسٹو ا، ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۹-۱۳۵۔

۷- اے۔ ایم خلیلوف، بی۔ محمدوف اور اے۔ آر۔ عمروف، *روسی فیڈریشن میں شامل جمہوریہ داغستان کے سماجی اور سیاسی ڈھانچے* (روسی)، مہاشکالا، اپستجو، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۲-۱۱۵۔

۸- ایم۔ جی۔ محمدوف، *خذاری ناکپکازے* (خذر قفقاز میں)، مہاشکالا، ۱۹۹۴ء، ص ۵۰۔

۹- حکمت تانیو، *ترک لیرین دینی تاریخی* (ترکوں کی دینی/مذہبی تاریخ)، استانبول، (س ن) ص ۳۹۔

۱۰- اے۔ شاہ سعیدوف اور ایس۔ لوگوشیف، ''خذراوی داگستانا'' (داغستان میں خذر ترک)، پراودا، فروری ۳، ۱۹۹۷ء، ص ۳۔

۱۱- تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے: ایم۔ جی۔ محمدوف، بحوالہ بالا۔ نیز دیکھیے: آر۔ ایم۔ محمدیف، بحوالہ بالا۔

۱۲- ایضاً

۱۳- دربند شہر کی تزویراتی اہمیت کے لیے دیکھیے: اے۔ قدرتسیف *مسلمانسکی گوراود داگستانا*، مہاشکالا، ۱۹۹۴ء، ص ۹۹-۱۲۲۔

۱۴- کہا جاتا ہے کہ عرب کمانڈر ربیع [عبدالرحمٰن بن ربیع؟] اور اس کے چالیس ساتھیوں کی قبریں دربند کے کرکلار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبرستان میں موجود ہیں۔ خود کرکلار قبرستان انہی کے نام سے موسوم ہے۔ (کرکلار کے معنی ''چالیس'' کے ہیں) ربیع اور اس کے چالیس ساتھی خذر ترکوں کے ساتھ اس معرکے میں شہید ہوگئے تھے۔

۱۵- قدر تسیف، بحوالہ بالا، ص ۱۰۰ اور اس کے مابعد اور تانیو، بحوالہ بالا، ص ۴۸۔

۱۶- تانیو، ایضاً۔

۱۷- اے. کے. کریموف، موسیٰ گور اور ربنت، ماسکو، ۱۹۹۴ء، ص ۶۔ نیز دیکھیے: تانیو، ایضاً، ص ۴۹۔

۱۸- محمد یف، اِستوریا داگستانا، ص ۳۲-۳۶۔

۱۹- ایضاً، ص ۳۴۔

۲۰- خدایا و تسیف، بحوالہ بالا، ص ۱۲۲۔

۲۱- کریموف، بحوالہ بالا، ص ۷۔

۲۲- اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے: ڈی. ایس. فیڈیروف گوزینوف، اسٹوریا پروشو جینیا کوسیکوف (کوموک [قبائل] کی نسلی تاریخ)، مہاشکالا، ۱۹۹۶ء۔

۲۳- آج بھی ترکیمیز علاقے کے لوگ (جو دراصل آذری النسل ہیں) اور دربند کے نواح کے بعض دیہاتوں کے باشندے اپنے آپ کو عثمانی ترک کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی عادات واطوار، ان کی زبان اور ان میں رائج بعض کہاوتیں ترکی کے ترکوں سے ملتی جلتی ہیں۔ نیز داغستان میں آباد کوموک اور آذری قبائل کی زبانوں میں آج بھی عثمانی ترکی کے الفاظ وتراکیب پائے جاتے ہیں۔

۲۴- سیٹفانوس یراسیموس، ترک لیریرین کفکازلری (ترکوں کا قفقاز)، ترکی میں ترجمہ: اروم کسکینو لو تو لپو مسال تاریخ (سماجی تاریخ)، دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۹۔

۲۵- کریموف، بحوالہ بالا، ص ۷۔

۲۶- محمد یف، بحوالہ بالا، ص ۵۰-۵۶۔

۲۷- یراسیموس، بحوالہ بالا، ص ۲۰۔

۲۸- اٹھارویں صدی تک۔

۲۹- کریموف، بحوالہ بالا، ص ۱۰۔

۳۰- ایم. آر. اے. ابراہیموف، 'بیسویں صدی میں داغستانی عوام کی نسلی اور شماریاتی مشکلات'' (روسی)،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ئیں فورسر،۱۹۹۶ء،ص۳۳۔ دربند شہر میں رہائش پذیر آذری النسل باشندوں کا ''کافری فرقہ'' (جو کہ ایک شیعہ فرقہ ہے) خاص طور پر خطے میں ایرانی اثر ونفوذ کی یادگار ہے۔ خطے میں ایرانی اثر ونفوذ کی ایک اور مثال ٹاٹس (Tats) قبائل ہیں جو داغستان کے پہاڑی علاقوں میں رہائش پذیر ہیں اور جو آج تک فارسی زبان بولتے ہیں۔

۳۱- پیرا سیموس، بحوالہ بالا، ص۱۹۔

۳۲- ایضاً۔

۳۳- عبداللہ محمدوف، *واگستان آئی واگستاشی وی ماپرے (داغستان اور داغستانی عالمی نقشے پر)*، مہاشکالا، ۱۹۹۴ء، ص۳۶-۵۵۔

۳۴- کریموف، بحوالہ بالا، ص۹۔ نیز دیکھیے: جان. ایف بیڈلے کی کتاب *[The Russian Conquest of the Caucasus]* کا ترکی ترجمہ بعنوان: *قفقاز پر روسی یلغار اور شیخ شامل*، استانبول، ۱۹۹۶ء، ص۵۴۔ دربند شہر کی آج بھی یہ اہمیت برقرار ہے۔ دربند ایک ایسی باریک پٹی میں واقع ہے جس کے ایک طرف کیسپین کا ساحلی علاقہ اور دوسری طرف داغستان کا پہاڑی علاقہ واقع ہے۔ اس باریک پٹی (درے) کے ذریعے تمام قفقازی قبائل جنوب سے شمال [اور اس کے برعکس] کی طرف نقل وحرکت کرتے ہیں۔ آج کل دربند کو باکو- روسٹوف تجارتی شاہراہ پر ایک اہم ٹرانزٹ پوائنٹ کی حیثیت حاصل ہے۔

۳۵- جان. ایف. بیڈلے، بحوالہ بالا، ص۵۶۔

۳۶- ایضاً۔

۳۷- ایضاً، صفحات ۶۰-۶۲۔

۳۸- ایضاً، ص۶۵۔

۳۹- ایضاً، ص۶۵-۶۷۔

۴۰- آج داغستان کی آبادی میں نوغوئی باشندوں کی نسبت ۱۶ فیصد ہے۔ نوغوئی داغستان کے شمال میں واقع صحرائے نوغوئی میں آباد ہیں۔ اس علاقے کو دشت نوغوئی (Nogay steppe) بھی کہتے ہیں۔

۴۱- خلیلوف، محمدوف اور عمروف، بحوالہ بالا، ص۱۱۵ اور اس کے مابعد۔

۴۲- ایضاً، ص۷ اور ص۴۰ اور اس سے آگے۔

© rasailojaraid.com